11

الحمدللہ کہ ربوہ میں جلسہ سالانہ باوجود مخالف حالات کے نہایت کامیاب رہا

(فرمودہ 22 اپریل 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم سے جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ اس سال ہم اس جگہ پر کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو آئندہ جماعت احمدیہ کا مرکز بنانے کی تجویز ہے۔ بظاہر حالات ہمیں اس جگہ پر اس سال جلسہ سالانہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی جیسا کہ میں نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا جماعت کے دوستوں نے مجھے کثرت سے لکھنا شروع کر دیا تھا کہ اس سال ربوہ میں جلسہ سالانہ کرنا نامناسب ہے کیونکہ شدت کی گرمی کی وجہ سے لوگ وہاں ٹھہر نہیں سکیں گے اور پھر یہ فصلوں کے دن ہیں اور کٹائیوں کی وجہ سے لوگ کثرت سے اس جلسہ پر نہیں آسکیں گے۔ پھر نئی جگہ ہے، وہاں رہائش کا کوئی بندوبست نہیں، پانی وغیرہ کی دقت ہے۔ یہ باتیں مجھے بھی نظر آتی تھیں مگر میں جب سے قادیان سے آیا ہوں میں یہ جانتا تھا کہ پانچ سالہ پیشگوئی کے مطابق 1949ء کا جلسہ سالانہ ہم کسی ایسی ہی جگہ کریں گے جس کو ہم اپنا کہہ سکیں۔ چنانچہ اس دفعہ کے جلسہ سالانہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ کرسمس کی تعطیلات کی بجائے ایسٹر ہالیڈیز (EASTER HOLIDAYS) میں کیا جائے لیکن جب جلسہ سالانہ کے ایسٹر ہالیڈیز میں

کرنے کی تجویز ہوگئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سال جلسہ سالانہ دسمبر کی بجائے اپریل میں منعقد ہو تو لوگوں نے یہ وہم کرنا شروع کر دیا کہ وہاں گرمی ہوگی، کھانے، پانی اور رہائش کی دِقّت ہوگی۔ پہلے خیال تھا کہ ایسٹر کی تعطیلات مارچ میں ہوں گی اور مارچ کا موسم اچھا ہوتا ہے زیادہ گرم نہیں ہوتا لیکن جب ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں نکلیں یا یوں کہو کہ جب علم ہوا کہ ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں ہوں گی تو لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہونا شروع ہوا کہ اس دفعہ وہاں جلسہ کرنا ناممکن ہے لیکن جو اُمید ہمارے ذہن میں تھی اس کے خلاف لوگ بہت زیادہ تعداد میں آئے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر صرف دس ہزار آدمی آسکیں گے کیونکہ ایک تو موسم اچھا نہیں تھا، گرمی زیادہ تھی، پھر یہ فصلوں کا وقت تھا اور کٹائیاں ہو رہی تھیں اور زمیندار کٹائی چھوڑ کر جلسہ پر نہیں آسکتے تھے۔ پھر بعض لوگ اس لیے بھی نہ آسکے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں رہائش کا مناسب انتظام نہ تھا۔ لیکن تقسیم پرچی سے جو اندازہ لگایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار پانچ سو کے قریب وہ عورتیں تھیں جن کے کھانے کا انتظام لجنہ اماء اللہ کے ماتحت کیا جاتا تھا اور دس ہزار چھ سو کے قریب وہ پرچی تھی جس کا انتظام مردوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈیڑھ ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جو کھانے کی پرچی میں شمار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ جلسہ سننے کے لیے تو آجاتے تھے مگر کھانے کے وقت واپس چلے جاتے تھے۔ مثلاً احمد نگر میں چھ سات سو آدمی ٹھہرے ہوئے تھے وہ جلسہ سننے کے لیے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ کھانا ربوہ میں نہیں کھاتے تھے۔ اِسی طرح بعض لوگ چنیوٹ میں بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ چنیوٹ میں بھی کافی احمدی بستے ہیں۔ کچھ تو فسادات کے بعد وہاں آکر بس گئے ہیں اور کچھ وہاں کے باشندے ہیں۔ بہرحال سات آٹھ سو کے قریب ایسے لوگ تھے جو چنیوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جلسہ سننے کے لیے روزانہ ربوہ آجاتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ وہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ احمد نگر اور چنیوٹ کے علاوہ بعض دوسری جگہوں سے بھی لوگ صرف جلسہ کے وقت آتے تھے حتّٰی کہ ایک دوسو آدمی لائلپور سے بھی ایسا آتا تھا۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے کھانے کا اپنا انتظام کیا ہوا تھا۔ مثلاً سو کے قریب ہمارے ہی خاندان کے افراد تھے جن کا کھانے کا اپنا انتظام تھا۔ اس طرح پندرہ سو سے دو ہزار تک ان لوگوں کی تعداد ہو جاتی ہے جو لنگر

کے انتظام کے ماتحت کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ ان کا اپنا انتظام تھا۔ اس تعداد کو ملا کر سترہ ہزار کے قریب ایسے لوگ تھے جو اس سال جلسہ میں شامل ہوئے اور ان مخالف حالات کے باوجود شامل ہوئے جن کے ہوتے ہوئے بعض لوگ کہتے تھے کہ اس سال وہاں جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ بعض مخالف ایسے تھے جنہوں نے ان مخالف حالات کی وجہ سے یہ پیشگوئیاں کرنی شروع کر دی تھیں کہ یہ جلسہ سالانہ اس سال نہیں ہو سکے گا مگر خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل نازل کیا اور جلسہ ہوا اور صرف ہوا ہی نہیں بلکہ اس کامیابی کے ساتھ ہوا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ چنانچہ اتنے لوگوں کا وہاں آ جانا تو حُسنِ ظنی کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے لیکن جو تکلیفیں اور مشکلات وہاں تھیں ان کے باوجود وہاں لوگوں کا رہنا اور ان کو خوشی سے برداشت کرنا یہ ایسی چیز تھی جو تائیدِ الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مثلاً پہلے دن ہی سوا دو بجے رات تک بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں کھانا نہیں ملا تھا۔ مجھے ساڑھے بارہ بجے کے قریب یہ آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ ٹھہرو! ابھی کھانا دیتے ہیں۔ ٹھہرو! ابھی کھانا دیتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی لنگر خانہ بھجوایا اور اس طرح مجھے معلوم ہوا کہ روٹیاں ابھی پہنچی ہی نہیں۔ کچھ روٹیاں پہنچی ہیں لیکن وہ بہت تھوڑے لوگوں کو مل سکی ہیں۔ میں خود وہاں گیا اور لنگر خانہ کے کارکنوں سے پوچھا کہ روٹی کا ابھی تک کیوں انتظام نہیں ہو سکا؟ اس پر مجھے بتایا گیا کہ ہماری تمام کوششیں بالکل ناکام ہو چکی ہیں۔ اس میں کچھ منتظمین کا بھی قصور تھا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس دفعہ ساٹھ تندور لگائے جائیں گے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صرف چالیس تندور لگائے گئے ہیں۔ بہرحال چونکہ عام طور پر خیال یہ تھا کہ جلسہ پر بہت کم لوگ آئیں گے اِس لیے تندور کم لگائے گئے۔ باورچی بھی کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر کام کا بوجھ زیادہ پڑا۔ گرمی کا موسم تھا جو شیڈ (SHED) بنائے گئے تھے وہ کم تھے۔ پھر ایک طرف دیوار کھینچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہوا نہیں آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نو باورچی بے ہوش ہو گئے ان کو دیکھ کر باقی باورچیوں نے کام چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ ہم اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالیں؟ اس وجہ سے نَو دس بجے تک روٹی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا بلکہ اُس وقت تک اُنہیں کام کرنے کی طرف کوئی رغبت ہی نہ تھی۔ تھوڑے سے چاول اُبالے گئے اور وہ بچوں کو دیئے گئے۔ پھر جُوں تُوں کر کے روٹی کا انتظام کیا گیا اور صبح کے پانچ بجے تک روٹی تقسیم ہوتی رہی اور وہ بھی بہت تھوڑی تھوڑی۔ حالانکہ بعض لوگ ایسے بھی تھے

جنہیں دوپہر کو بھی کھانا نہیں ملا تھا اور وہ رات بھی انہوں نے بغیر کھانے کے گزار دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ان کی طبائع میں شکوہ پیدا ہوتا انہوں نے اس تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔

پھر دوسرا دن بھی اِسی طرح گزرا۔ دوسرے دن بھی کھانا تیار کروانے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ آخر میں نے افسروں کو سرزنش کی اور انہیں مختلف تدابیر بتائیں، اپنے بیٹوں کو اس کام پر لگایا اور بالآخر بعض ایسی تدابیر نکال لی گئیں جن کے ذریعہ اگر پیٹ بھر کر نہیں تو کچھ نہ کچھ کھانا ضرور مل گیا۔ مثلاً ہمارے ملک میں ایک آدمی کی عام غذا تین روٹی ہے۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے تین تین روٹی کے دو دو روٹیاں دی جائیں۔ پھر یہ تدبیر بھی اختیار کی گئی کہ نانبائیوں سے ٹھیکہ کر لیا گیا کہ اگر وہ اتنا کھانا تیار کر دیں تو انہیں مزدوری کے علاوہ انعام بھی دیا جائے گا۔ اس طرح اُن غریب آدمیوں نے لالچ کی وجہ سے کام کیا اور ہمارے جلسہ کے دن گزر گئے۔

غرض ان تمام تکلیفوں کے باوجود ہمارے لوگوں کا بشاشت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنا بتاتا ہے کہ یہ محض خداتعالیٰ کے فضل سے تھا۔ پانی کے لیے جو ہم نے نلکے لگوائے تھے وہ تمام ناکام گئے۔ البتہ پانی کے لیے جو سرکاری انتظام کیا گیا تھا اُس سے بہت کچھ فائدہ ہوا۔ لیکن پانی استعمال کرنے کی ہمارے لوگوں کو جتنی عادت ہوتی ہے اُتنا پانی پھر بھی مہیا نہ ہو سکا۔ رہائش کی یہ حالت تھی کہ جن بارکوں میں ساڑھے چار ہزار عورتوں کو رکھا گیا تھا اُن کے متعلق دیکھنے والا یہ تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ ان بارکوں میں اتنی عورتیں رہ سکتی ہیں۔ جن بارکوں میں عورتوں کو ٹھہرایا گیا تھا وہ کُل سولہ تھیں۔ اُن میں اگر لوگوں کو پاس پاس بھی سُلا دیا جائے تو صرف دو ہزار آدمی آ سکتا ہے لیکن جلسہ پر جو عورتیں وہاں ٹھہری تھیں وہ ساڑھے چار ہزار کے قریب تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے سامان اندر رکھ دیا اور آپ باہر سو کر گزارہ کر لیا۔ مردوں کا حال اس سے بھی بُرا تھا۔ تمام مرد بارکوں کے اندر سو نہیں سکتے تھے اس لیے مردوں کو عورتوں سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ کچھ گنجائش اس طرح بھی نکل آئی کہ میری تحریک کے ماتحت بعض دوست اپنے ساتھ بانس، کیلے اور سُتلی [1] لے آئے اور خود خیمے لگا کر انہوں نے جلسہ کے دن گزارے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے بھی یہ تحریک کر دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے جب جلسہ کے انتظامات دیکھنے کے لیے چکر لگایا تو بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سَو ڈیڑھ سَو کے قریب ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ چنیوٹ ٹھہر گئے اور

کچھ لوگ احمد نگر ٹھہر گئے اور اس طرح گزارہ ہو گیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود مخالف حالات اور مختلف تکالیف اور مشکلات کے خدا تعالیٰ کی وہ خبر جس کو میں پہلے تعبیری طور پر سمجھتا تھا عملی طور پر بھی ثابت ہو گئی۔ اور وہی لوگ جو خیال کرتے تھے کہ اس سال جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا انہیں بھی اقرار کرنا پڑا کہ اس جگہ رہائش کرنے کی وجہ سے لوگوں کی صحت پر بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اچھا اثر ہی پڑا ہے۔ اندھیریاں سارا دن چلتی رہتی تھیں اور گرد سارا دن آنکھوں میں پڑتی تھی لیکن لاہور میں میری آنکھوں کا یہ حال تھا کہ مجھے آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ مجھے کئی بار دوائی لگوانی پڑتی تھی۔ درد کی وجہ سے مجھے شُبہ ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی بیماری ہی نہ ہو۔ دِن میں چار پانچ دفعہ مجھے لوشن ڈلوانا پڑتا تھا تب جا کر کہیں میری حالت قابلِ برداشت ہوتی تھی لیکن ربوہ میں تو دن کے قیام میں مجھے صرف دو دفعہ لوشن ڈلوانا پڑا اور پہلے سے میری آنکھیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ سارا دن مٹی آنکھوں میں پڑتی رہتی تھی۔ اِسی طرح وہاں کے پانی کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ وہ زہریلا ہے اور انسان کے پینے کے ناقابل ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ بجائے اس کے کہ وہ پانی ہم پر کوئی بُرا اَثر ڈالے اچھا اثر ڈالتا رہا۔ وہ بدمزہ ضرور تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے مقابلہ میں پانی پی لیا یعنی دوسرا اَور پانی میں نے پہلے پی لیا اور پھر وہاں سے نلکوں کا پانی پی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً سَوا گھنٹے تک منہ کا ذائقہ خراب رہا۔ لیکن باوجود اس کے کہ ڈاکٹری رپورٹ اس پانی کے متعلق یہ تھی کہ وہ انسان کے پینے کے قابل نہیں اُس پانی نے بجائے تکلیف پہنچانے کے ہمیں فائدہ پہنچایا۔ جب میں لاہور سے گیا میرے معدہ میں سخت تکلیف تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میری انتڑیوں پر فالج گر رہا ہے لیکن وہاں میری طبیعت اچھی ہو گئی۔ اِجابت بھی اچھی ہوتی رہی صرف آخری دن اسہال آنے شروع ہو گئے اور بیس کے قریب اسہال آئے لیکن باقی دنوں میں میری طبیعت اچھی رہی۔ میری بیوی اُمِّ ناصر نے بتایا کہ یہاں لاہور میں میں ایک وقت کھانا کھایا کرتی تھی لیکن ربوہ میں دونوں وقت کھانا کھاتی رہی۔ آج لاہور واپس آ کر پھر ایک دفعہ کھانا کھا رہی ہوں۔ اِسی طرح کئی اَور دوستوں نے بتایا کہ ربوہ کے پانی نے اُن کی صحتوں پر اچھا اثر ڈالا ہے اور باوجود گرد وغبار اُڑنے کے اُن کی آنکھوں کو آرام آ گیا۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں واپس آ کر میری آنکھوں میں پھر تکلیف شروع ہو گئی۔

یہاں آ کر میں دو تین دفعہ دوائی ڈلوا چکا ہوں۔

غرض خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ اچھا کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحت پر کوئی بُرا اَثر پڑتا ہماری صحت پر اچھا اَثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہاں پانی اچھا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحتوں پر بُرا اَثر پڑتا ربوہ کے پانی نے ہماری صحتوں پر اچھا اَثر ڈالا۔ بجائے اس کے کہ گردوغبار اُڑنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں خراب ہوتیں ہماری آنکھیں پہلے سے بھی اچھی ہوگئیں۔ وہاں کے قیام میں آنکھوں میں اتنی گرد پڑی کہ اگر سال بھر کی گرد کو جمع کیا جائے تو اُتنی نہ ہوگی لیکن اُس گردوغبار نے ہماری آنکھوں کو اَور بھی منور کر دیا۔ اِسی طرح روٹیوں اور سالن کے مہیا کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں لیکن وہی روٹیاں جو کچی ہوتی تھیں بجائے اس کے کہ ہمارے معدوں کو خراب کرتیں اُن کے کھانے سے ہمارے معدوں میں اَور زیادہ طاقت محسوس ہونے لگ گئی۔ پھر علاقہ نیا تھا اور اس وجہ سے بھی بعض دِقّتوں کا احتمال تھا مگر اس میں بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوا اور وہاں تبلیغ کثرت سے ہوئی۔ قادیان کے جلسوں پر ضلع جھنگ کے صرف چالیس پینتالیس آدمی آیا کرتے تھے لیکن اس جلسہ پر سب سے زیادہ آنے والے جھنگ کے لوگ تھے۔ لجنہ اماء اللہ نے عورتوں کی تعداد کے متعلق ضلع وار رپورٹ دی۔ اُس کے مطابق جلسے پر آنے والی ایک سَو پندرہ عورتیں ایسی تھیں جو ضلع جھنگ سے آئی تھیں۔ چونکہ ہم نئے نئے وہاں گئے تھے اردگرد کے لوگوں نے ہمارے متعلق باتیں سُنیں تو وہ جلسہ پر آ گئے۔ اس طرح تبلیغ کے لیے ایک اَور رستہ نکل آیا۔

میرے ایک عزیز لالیاں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ربوہ میں چونکہ رہائش کا خاص انتظام نہیں تھا اس لیے وہ لالیاں ٹھہر گئے اور ڈاک بنگلہ ریزرو کروا لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ اسٹیشن پر رخصت ہونے لگے تو ایک پٹھان شور مچا رہا تھا۔ وہ پٹھان قادیان نہیں آیا تھا لیکن ربوہ کا جلسہ اُس نے دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اسلامی ممالک کے قریب رہتے ہیں اس لیے اسلامی باتوں کا ان کے دلوں پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ اُس عزیز نے بتایا کہ وہ پٹھان شور مچا رہا تھا کہ ایسا جلسہ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ایسی تقریر ہم نے پہلے سنی ہے۔ اُس کے پاس کوئی مولوی طرز کا ایک آدمی کھڑا تھا اُس نے کہا یہ لوگ تو کافر ہیں، ان کا جلسہ کیا اور ان کی تقریریں کیسی؟ اُس نے کہا وہ کافر

نہیں ہوسکتا وہ تو سَو بکرا روز کھلا تا ہے وہ کافر کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا اثر تھا جو اُس پٹھان کی طبیعت پر ہوا۔ پٹھان ایک مہمان نواز قوم ہے۔ اُس نے جب جلسہ پر مہمان نوازی کا انتظام دیکھا تو اس کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ہوا۔

اسی طرح پونچھ کے علاقہ کی ایک عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ پہاڑی علاقہ کے لوگ عام طور پر مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن وہ ایسے علاقہ کی تھی جو مہمان نواز نہیں تھا۔ وہ عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی اُن سے کہا کہ ہمارے ہاں تو مہمان آئے تو چار پائی اُلٹ دیتے ہیں اور مہمان کو کھانا نہیں کھلاتے۔ آپ تو ساروں کو کھانا دیتے ہیں۔ بہرحال نئی جگہ اور نیا علاقہ ہونے کی وجہ سے کئی نئے لوگوں کو ہماری باتیں سننے کا موقع ملا۔ میں لاہور والوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں اگرچہ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی کہ لاہور اس دفعہ سیکنڈ رہا ہے۔ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے جو عورتوں کی تعداد مجھے دی گئی ہے اُس کے مطابق 975 عورتیں لاہور کی تھیں۔ یہ بات میں نہیں سمجھ سکا کہ اتنی عورتیں کہاں سے آئیں؟ دو اڑھائی سو تک تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اتنی عورتیں تو قادیان کی مہاجر عورتیں ہوسکتی ہیں لیکن پھر بھی ساڑھے چھ سو کی تعداد باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر 975 عورتیں لاہور کی تھیں تو جلسہ میں مرد بھی شامل ہوتے تھے۔ اگر اُن کی حاضری کی بھی یہی نسبت تھی تو لاہور کا ضلع حاضری کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر آجاتا ہے۔ سرگودھا، لائلپور اور سیالکوٹ کے ضلعے اپنی احمدی آبادی کے لحاظ سے بہت کم شامل ہوئے۔ کسان اضلاع سے آنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ آبادی کے لحاظ سے ان ضلعوں سے آنے والے بہت کم لوگ تھے۔ ضلع سرگودھا سے آنے والوں کی تعداد باقی دو اَضلاع سے نسبتاً زیادہ تھی۔ لائلپور اور سیالکوٹ کی تعداد بہت پیچھے تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمارا جلسہ نہایت کامیابی سے گزارا۔ اس میں شُبہ نہیں کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اور خرابیٔ صحت کی وجہ سے میری تقریر مکمل نہ ہوسکی۔ تقریر کے بعض حصے رہ گئے۔ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو میں اُن حصوں کو مضمون کی صورت میں شائع کرا دوں گا۔ آئندہ اگر خدا نے چاہا اور ہمیں اپنے ارادوں کی تکمیل کی توفیق مل گئی تو اگلا جلسہ سالانہ دسمبر کے ایام میں ہوگا۔ اگلے جلسہ سالانہ میں اب صرف آٹھ مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ پس اس کے لیے بھی ابھی سے ہماری

جماعت کو تیار رہنا چاہیے۔

میں نے جلسہ پر جماعت کو توجہ دلائی تھی کہ دوستوں کو چاہیے جس طرح وہ قادیان بار بار آیا جایا کرتے تھے وہ ربوہ میں بھی بار بار آیا جایا کریں۔ اس کے کئی فائدے ہوں گے۔ ایک تو اجتماعی طور پر مل جانے سے روحانیت میں جِلا پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ جب مل کر بیٹھتے تھے تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ آؤ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں کریں تا جِلا پیدا ہو۔ دوسرے کام کرنے والوں کے اندر بیداری پیدا ہوگی۔ یہاں ہماری یہ ضرورت تھی کہ ہمارے پاس دفاتر کے لیے کافی جگہ نہیں تھی اس لیے ایسی کوئی صورت نہیں تھی کہ یہاں آنے والے لوگ بیٹھ سکیں۔ اب وہاں ناظروں کے الگ الگ کمرے ہوں گے اور آنے جانے والوں کے لیے سہولت پیدا کر دی جائے گی۔ پھر جب لوگ وہاں جائیں گے تو کارکنوں کے اندر احساس پیدا ہوگا کہ جماعت ہمارے کاموں کو دیکھ رہی ہے، ہمیں اچھی طرح سے کام کرنا چاہیے۔ تیسرے اردگرد کے لوگوں پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ جیسے میں نے اس پٹھان کی بات سنائی ہے۔ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ ان لوگوں کو اپنے مرکز کی طرف میلان اور توجہ ہے اور یہ لوگ عموماً یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے اور آپس میں تعاون کرنے سے ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ یہ کام کرنے والی جماعت ہے اور ان سے ملنا اور ان سے تعلق رکھنا دنیوی اور دینی دونوں رنگ میں بہتر ہے۔

اس دفعہ جلسہ کے لیے سب سے بڑی دِقّت پانی کی تھی۔ جب یہ فیصلہ ہوا کہ جلسہ اپریل میں ہوگا اور ربوہ میں ہوگا تو ہم نے اُس وقت اِس کام پر دس ہزار روپیہ لگایا جس میں سے چار ہزار روپیہ کی رقم ایسی ہے جو ہمارے پھر بھی کام آ سکتی ہے۔ باقی چھ ہزار روپیہ ایسا ہے جو ہم نے پانی مہیا کرنے پر خرچ کیا۔ ایک ہزار روپیہ تو بورنگ کے لیے ہم گورنمنٹ کو دے چکے ہیں لیکن بورنگ ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا۔ بعض اَور ذرائع کا بھی پتا چلا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پانی مہیا کیا جائے ورنہ نہر سے یا دریا سے پانی لینے کی کوشش کی جائے گی۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی ایسا سامان کر دے گا کہ ہمیں پانی میسر آ جائے گا اور اس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

جلسہ کے اختتام کے بعد جس دن ہم ربوہ سے واپس چلے (یعنی 21 اپریل 1949ء بروز جمعرات) مجھے ایک الہام ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ مخالف اِس سے اَور بھی چڑیں گے، شور مچائیں گے۔ میں نے جب افتتاحی تقریر کی تھی تو چنیوٹ والوں نے شور مچایا تھا کہ یہ اپنے آپ کو ابراہیم قرار دیتے اور اسماعیل بنتے ہیں۔ حالانکہ ہم تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ وہ خواہ چڑیں یا بُرا منائیں ہم نے تو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہی بننا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اپنے آپ کو بُرے لوگوں سے تشبیہہ دے لیا کریں۔ اب بھی شاید وہ چڑیں گے مگر ہم خدا تعالیٰ کی باتوں کو چُھپا نہیں سکتے۔

غرض میں نے جس دن ربوہ سے واپس آنا تھا خاندان کی اکثر سواریاں ٹرین کے ذریعہ آئیں اور میں موٹر کے ذریعہ آیا۔ اس سے ایک تو پیسے کی بچت ہوگئی کیونکہ اگر میں موٹر پر نہ آتا تو موٹر نے خالی آنا تھا۔ دوسرے وقت کی بچت ہوگئی۔ میں، تین چار مستورات اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے چند آدمی ہم موٹر پر آئے اور باقی افراد ٹرین کے ذریعہ۔ پہلے ٹرین لیٹ تھی اور اس کے آنے میں دیر ہوگئی اور یقین ہو گیا کہ یہ گاڑی لاہور کو جانے والی گاڑی کو نہیں پکڑ سکے گی اس لیے ہم نے سب سواریوں کو واپس بلا لیا کہ سب کو لاریوں میں لے جائیں گے۔ لیکن جب ٹرین آئی تو ایک انسپکٹر جو ساتھ تھا اُس نے کہا کہ کچھ ڈبے لاہور سے اگلے جنکشن پر آئے ہوئے ہیں اور آپ لوگوں کے لیے ریزرو ہیں اس لیے اگلی گاڑی ان سواریوں کو لیے بغیر نہیں چلے گی۔ اس اطلاع پر پھر سواریوں کو ٹرین کے ذریعہ بھیج دیا گیا۔ جب ٹرین چلی تو معلوم ہوا کہ ان کا کھانا رہ گیا ہے۔ چنانچہ کھانا موٹر کے ذریعہ چنیوٹ بھجوایا گیا۔ اب صورت یہ تھی کہ جب تک موٹر واپس نہ آئے میں لاہور نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے میں لیٹ گیا اور مجھ پر ایک غنودگی سی طاری ہوگئی۔ اس نیم غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہا ہوں ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب — پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

میں نے اسی حالت میں سوچنا شروع کیا کہ اس الہام میں ''جاتے ہوئے'' سے کیا مراد ہے؟ اس پر میں نے سمجھا کہ مراد یہ ہے کہ اِس وقت تو پانی دستیاب نہیں ہو سکا لیکن جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے زمزم پھوٹ پڑا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ کوئی ایسی

صورت پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی بہ افراط میسر آنے لگے گا۔ اگر پانی پہلے ہی مل جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ یہ وادی بے آب و گیاہ نہیں یہاں تو پانی موجود ہے۔ پھر اس وادی کو بے آب و گیاہ کہنے کے کیا معنے؟ اب ایک وقت تو پانی کے بغیر گزر گیا اور باوجود کوشش کے ہمیں پانی نہ مل سکا۔ آئندہ خداتعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی مل جائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

''پاؤں کے نیچے'' سے مراد یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے مجھے اسماعیل قرار دیا ہے۔ جس طرح وہاں اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے پانی بہہ نکلا تھا اُسی طرح یہاں خداتعالیٰ میری دعاؤں کی وجہ سے پانی بہا دے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے جو محنت کرنے اور دعا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا تا ہمیں پانی مل سکے لیکن ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب خداتعالیٰ نے میرے منہ سے یہ کہلوا دیا کہ پانی صرف تیری دعاؤں کی وجہ سے نکلے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ پانی کب نکلے گا اور کس طرح نکلے گا لیکن بہرحال یہ الہامی شعر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہاں پانی کی کثرت ہو جائے گی اِنشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

اس شعر میں حضور اور جناب دو لفظ اکٹھے کہے گئے ہیں جو عام طور پر اکٹھے استعمال نہیں ہوتے لیکن چونکہ یہاں ادب کا پہلو مراد ہے اس لیے ''آپ'' کے لفظ کی بجائے یہاں حضور اور جناب کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ بہانے سے مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس رنگ میں پورا ہوگا۔ ممکن ہے ہمیں نہر سے پانی مل جائے یا دریا سے پانی لے لیا جائے یا ہمیں کوئی اَور جگہ مل جائے جہاں پانی ہو اور اِس وقت تک ہمیں اُس کا علم نہ ہو۔

بہرحال یہ نہایت ہی خوش کن الہام ہے اور یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے یُخْرِجُ ھَمُّہٗ وَغَمُّہٗ دَوْحَۃَ اِسْمَاعِیْلَ [2] یعنی خداتعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غم اور فکر اور دعاؤں کی وجہ سے ایک اسماعیلی درخت پیدا کرے گا۔ وہ دَوْحَۃَ اِسْمَاعِیْلَ میں ہی ہوں اور اس سے بھی ہجرت کی خبر نکلتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تیری اولاد میں سے ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں آبادی کے سامان پیدا کرے گا۔ پہلے تو ہم اس کی قیاسی تشریح کرتے تھے لیکن اب خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ عملی طور پر اس کی تشریح کر دی اور مجھے اسماعیل قرار دیتے ہوئے فرمایا

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

یعنی جہاں میرا پاؤں پڑا خدا تعالیٰ نے وہاں پانی بہا دیا۔

پس یہ اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست نشان ہے جو پورا ہوا اور بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔ اور جیسا کہ خدائی کلام سے معلوم ہوتا ہے بہت سے اَور نشانات اس نشان کے ساتھ وابستہ ہیں۔

لوگ سمجھتے تھے کہ وہ احمدیت کو توڑ دیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ احمدیت کو کُچل دیں گے۔ انہوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ یہ جماعت اپنے مرکز سے علیحدہ ہو کر ٹوٹ جائے گی۔ لیکن یہ جماعت وہ جماعت نہیں جس کو کوئی انسان کُچل سکے۔ خدا تعالیٰ نے بعض اِس قسم کے حیوانی کیڑے پیدا کیے ہیں کہ اگر انہیں کاٹ دیا جائے تو بجائے اس کے کہ وہ مر جائیں (جیسے انسان مر جاتا ہے یا بکرے کو کاٹ دیا جائے تو وہ مر جاتا ہے، گائے، بھینس، بھیڑ، گھوڑا وغیرہ جانوروں کو درمیان سے کاٹ دیا جائے تو وہ مر جاتے ہیں) ان کا اگر دھڑ کاٹ دیا جائے تو وہ مرتے نہیں بلکہ ان کے دھڑ کے دونوں حصے دو پورے وجود بن جاتے ہیں۔ ایک آدھا حصہ ایک طرف پورا جانور بن جاتا ہے اور دوسرا آدھا حصہ دوسرا جانور بن جاتا ہے۔ یہی صورت خدا تعالیٰ کے قائم کردہ ابتدائی سلسلوں کی ہوتی ہے۔ قومیں جب بوڑھی ہو جاتی ہیں، جب ضعیف اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مر جاتی ہیں لیکن انبیاء کے ذریعہ ان کی ابتدا ہوتی ہے تو وہی قومیں ابتدائی کیڑوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔ ان کا دھڑ اگر درمیان سے کاٹ دیا جائے تو بجائے اِس کے کہ وہ مر جائیں ان کے دونوں حصے الگ الگ پورا وجود بن جاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہ قوم کاٹنے سے ہرگز نہیں مرے گی بلکہ کاٹنے سے اس کے ایک وجود کی بجائے دو وجود بن جائیں گے اور پھر دو سے چار وجود بن جائیں گے اور اِسی طرح یہ قوم ترقی کرتی چلی جائے گی۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے اَور بہت بڑے بڑے نشانات ہیں جو ہمارے اس ابتلاء سے وابستہ ہیں۔ اگر تم اپنے اندر ایمان کی

زیادتی پیدا کرلو، اگر تم تقویٰ میں زیادتی پیدا کرلو تو تم خدا تعالیٰ کے ان نشانات کو دیکھو گے، تم اپنے ایمان کو تازہ کرو گے، اپنی اولاد کے ایمان کو تازہ کرو گے اور دوسروں کو اپنی طرف کھینچ کر لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

مومن کا کام اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنا ہوتا ہے۔ کام تو خدا تعالیٰ کرتا ہے لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم وہی کچھ کریں، ہم وہی کچھ سوچیں اور ہم وہی کچھ کہیں جو خدا تعالیٰ نے کہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آتھم کے متعلق پیشگوئی فرمائی اور پیشگوئی کی میعاد گزر گئی۔ میں اُس وقت چھ سات سال کی عمر کا تھا۔ مجھے وہ نظارہ خوب یاد ہے۔ جس جگہ قادیان میں بکڈ پو ہوا کرتا تھا اس کے ساتھ والے کمرہ میں موٹر ہوا کرتے تھے اور اس کے مغرب والے کمرہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول پہلے درس دیا کرتے تھے یا مطب کیا کرتے تھے۔ آخری ایام میں مولوی قطب الدین صاحب مرحوم وہاں مطب کرتے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ پھر ایک کوٹھڑی تھی جس میں کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ اور جس کمرے میں اب موٹر ہوتے تھے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پریس تھا اور اس کمرے میں جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاول مطب فرمایا کرتے تھے فرمہ بندی3 ہو جاتی تھی اور پھر کوٹھڑی میں کتابیں رکھ دی جاتیں تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے بعض شاگرد بھی وہاں رہا کرتے تھے۔ اور چونکہ اُن دنوں بہت کم لوگ ہوا کرتے تھے اس لیے عام طور پر جو لوگ وہاں آتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے شاگرد بن جاتے تھے یہی مدرسہ تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اَور کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ وہ لوگ آپ کے شاگرد بھی ہوتے تھے اور سلسلہ کے خادم بھی ہوتے تھے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھوٹا سا تھا کہ جب آتھم کی پیشگوئی کا وقت پورا ہوا۔ غالبًا یہ 1894ء کے آخر یا 1895ء کے شروع کی بات ہے۔ میں اُس وقت ساڑھے پانچ یا چھ سال کا تھا۔ ابھی تک وہ نظارہ مجھے یاد ہے۔ اُس وقت تو میں اسے نہیں سمجھتا تھا کیونکہ میری عمر بہت چھوٹی تھی لیکن اب واقعات سے میں سمجھتا ہوں کہ جس دن آتھم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا آخری دن تھا یعنی پندرہ مہینے ختم ہونے تھے اُس دن اتنا کُہرام مچا ہوا تھا کہ لوگ رو رو کر چیخیں مار رہے تھے اور دعا کرتے تھے کہ خدایا! آتھم مر جائے۔ یہ عصر کے بعد اور مغرب سے پہلے کی بات ہے۔ پھر نماز کا

وقت ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد آپ مجلس میں بیٹھ گئے۔ گو اُس عمر میں مَیں باقاعدہ مجلس میں حاضر نہیں ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی مجلس میں بیٹھ جاتا تھا۔ اُس دن میں بھی مجلس میں بیٹھ گیا۔ اُس دن جو لوگ رو رو کر دعائیں کرتے رہے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کے فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کیا خدا تعالیٰ سے بھی بڑھ کر کسی انسان کو اس کے کلام کے لیے غیرت ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ نے جب یہ بات کہی ہے کہ ایسا ہوگا تو ہمیں ایمان رکھنا چاہیے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اور اگر ہم نے خدا تعالیٰ کی بات کو غلط سمجھا ہے تو خدا تعالیٰ اس بات کا پابند نہیں ہو سکتا کہ وہ ہماری غلطی کے مطابق فیصلہ کرے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ جب ہم نے ایک شخص کو راستباز مان لیا ہے تو اس کی باتوں پر یقین رکھیں۔ غرض مومن کا کام یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ پر توکّل کرے۔ خدا تعالیٰ کی بات بہرحال پوری ہو کر رہتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ نہ ہو سکا تو اس سے حضرت عمرؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یہ کیا ہوا ہے؟ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمر! یہ بتاؤ یہ آدمی سچا ہے یا نہیں؟ اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ آدمی سچا ہے تو پھر اس گھبراہٹ کے کیا معنے ہیں؟ بہرحال جو کچھ وہ کہتا ہے وہی ٹھیک ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ کی کتب فتح اسلام اور توضیح مرام شائع ہوئیں تو اُس وقت میں جموں میں تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر چکا تھا۔ میرے غیر احمدی دوست مجھے ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ آپ نے مرزا صاحب کو ماننے میں غلطی کی ہے۔ ان میں سے ایک لاہور آیا اور امرتسر سے جہاں وہ کتابیں چھپ رہی تھیں ان کے بعض فرمے لے گیا اور جموں واپس جا کر اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ اب میں نورالدین کو زیر کر لوں گا۔ اب میں ایسا سامان لایا ہوں کہ وہ بچ نہیں سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ مرزا صاحب نے چونکہ مامور مِنَ اللہ اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مولوی نورالدین صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عشق ہے اس لیے وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکیں گے کہ آپ ؐ کے بعد کوئی شخص نبوت کا

دعوٰی کرے اور وہ فوراً اپنے خیالات کو چھوڑ دیں گے۔ وہ شخص مجلس میں اپنے دوستوں سمیت آیا، کتاب کے ورق اس کی جیب میں تھے۔ وہ سب آپس میں مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگے اور مجھے کہا کہ ہم نے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اَور شخص نبوت کا دعوٰی کرے تو آپ کا اُس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے یہ وہم بھی نہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے یا کہیں لکھا ہے کہ آپ مامور من اللہ اور نبی ہیں۔ میں نے اصولی طور پر انہیں جواب دیا اور کہا کہ یہ تو اُس شخص پر منحصر ہے جس نے دعوٰی کیا ہے۔ ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ ہے کیسا؟ اگر وہ راستباز ہے تو پھر جو کچھ وہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ خواہ چھوٹی سی بات بھی کہے تو وہ جھوٹی ہے۔ انہوں نے کہا قرآن کریم میں تو لکھا ہے اور حدیثوں میں بھی آتا ہے اور آپ کا بھی عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اَور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میں نے کہا اگر وہ شخص واقع میں راستباز ہے تو جو کچھ وہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے اور میرا عقیدہ غلط ہے۔ اس پر انہوں نے کہا یہ تو بالکل ہی گیا گزرا ہے یہ اب واپس نہیں آسکتا۔

لیکن یہ ایک سیدھا سادا مسئلہ ہے۔ اگر کوئی شخص تعصّب سے بالکل خالی ہو کر دیکھے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص واقع میں سچا اور راستباز ہے تو اس کی ہر بات سچی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ راستباز بھی ہو اور غلط باتیں بھی کہے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں اور راستباز ہیں تو آپ نے جو کچھ کہا پورا ہو کر رہے گا۔ حوادثاتِ زمانہ جھوٹے ہیں، ہمارے کان جھوٹے ہیں، ہماری آنکھیں جھوٹی ہیں مگر خدا تعالیٰ کی بات سچی ہے۔ پھر یہاں تو خدا تعالیٰ نے صرف اتنی بات ہی نہیں رکھی بلکہ کثرت سے مجھے بھی اس نے خبریں دیں جن سے صاف پتا لگتا ہے کہ ان باتوں کا کہنے والا کوئی پاگل اور جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ہم نے کوئی بات غلط سمجھی ہو تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا خیال غلط ہے۔ سچے کی بات بہرحال سچی ہوگی ورنہ وہ راست باز کیسے کہلا سکتا ہے۔

ان پیشگوئیوں کے مطابق جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائیں یقیناً وہ زمانہ آنے والا ہے کہ وہی چیز جو دنیا کی نظروں میں ناممکن نظر آتی ہے ممکن نظر آنے لگ جائے گی۔ بلکہ لوگ یہ کہنے لگ جائیں گے کہ ایسا تو ہو ہی جانا تھا کیونکہ حالات ہی اس قسم کے تھے۔ بھلا آج

سے سات آٹھ سال پہلے کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے گا؟ کیا کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ لوگ ہتھیاروں کے ساتھ ایک دوسرے پر حملے کریں گے اور قادیان سے احمدیوں کو نکلنا پڑے گا آج سے چند سال پہلے کوئی مان ہی نہیں سکتا تھا کہ کسی دن ملک تقسیم ہوگا۔ لیکن وہ بات جو ناممکن تھی وہ وقوع میں آئی اور پیشگوئیوں کے مطابق پوری ہوئی اور اپنی تفصیلات کے ساتھ ہوئی۔

پس وہ خدا جس نے جب دنیا نہیں سمجھ سکتی تھی کہا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہوگا، احمدیوں کو قادیان چھوڑ کر آنا پڑے گا، خون خرابہ ہوگا اور جو اُس نے کہا تھا وہ ہو گیا۔ اُسی خدا نے جب یہ کہا ہے کہ احمدی پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ پھر ایک مرکز میں جمع ہو کر دنیا پر غالب آجائیں گے اور دنیا کو فتح کر لیں گے تو یہ بات بھی اُسی طرح ہی پوری ہوگی جس طرح اُس کی پہلی باتیں پوری ہوئیں''۔

(الفضل 18؍اگست 1949ء)

1: سُتلی: سَن کی باریک ڈوری (فیروز اللغات اردو ترجمہ فیروز سنز لمیٹڈ)

2: تذکرہ صفحہ 595 ایڈیشن چہارم

3: فرمہ: چھاپنے کے لیے سیسے کے حروف کی ترتیب دی ہوئی پلیٹ، ٹائپ کے حروف کا چوکھٹا یا پتھر وغیرہ پر جمائی ہوئی تحریر۔ چھاپنے کے لیے تیار کیا ہوا کاغذ کا ایک تاؤ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 13۔ اردو لغت بورڈ کراچی جون 1991ء)